تدوین حدیث

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(۱۵)

بہر حال حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی طے کیا کہ قرآن کے سوا جو چیز بھی ان کے زمانہ تک نوشتہ کی شکل میں آئندہ نسلوں میں پہنچے گی وہ توارات کے مثناۃ کی حیثیت اختیار کرلیگی اسی لئے نہ خود اپنی حکومت کی جانب سے اس کام کے انجام دلانے پر آمادہ ہوئے اور جہاں تک ان کے بس میں تھا دوسروں سے بھی انھوں نے یہی چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کی تبلیغ میں عمومیت کا طریقہ اختیار نہیں فرمایا تھا ان کو ایسے زمانہ میں قلم بند نہ کریں جس کے بعد اس مصلحت کے متاثر ہونے کا اندیشہ پیدا ہوسکتا تھا جسے پیش نظر رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انتظام کیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اندیشے کی تصدیق اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو بعد کو پیش آیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حدیثوں کے نہ لکھوانے کے اس ارادے کو طے کرنے کے بعد بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی بعض علمی و عملی چیزیں جن کا قرآن میں کم از کم صراحۃً ذکر نہ تھا، یعنی چاہنے والا چاہے تو یہ کہہ سکتا ہے[1]

---

[1] مثناۃ کا یہ لفظ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جس کا ذکر ابن سعد نے طبقات میں اور دوسری کتابوں میں بھی لوگوں نے کیا ہے کہ اپنے زمانے میں حدیثوں کے قلم بند کرانے کے متعلق حضرت عمر کا خیال تھا کہ یہودیوں کے ہاں تورات کے ساتھ جو مثناۃ کی حیثیت ہے وہی حیثیت قرآن کے ساتھ حدیثوں کی اسلام میں ہو جائیگی

کہ قرآن کے رو سے ان کا ماننا ضروری نہیں ہے اپنے اس فیصلہ کے بعد یعنی قرآن کے سوا نوشتہ کی شکل میں کوئی چیز باقی نہ رہے حضرت عمرؓ کو ایک دوسرا خطرہ ستانے لگا یعنی ایسا نہ ہو کہ آئندہ کسی زمانہ میں انکار کرنے والے ان چیزوں کا انکار کر بیٹھیں اور دلیل میں اسی واقعہ کو پیش کریں کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں ہے، خصوصاً شادی شدہ زانی مردوں، اور زانیہ عورتوں کے متعلق رجم (سنگسار) کرنے کی جو سزا ہے اس کے متعلق تو یہی نہیں کہ قرآن اس کے ذکر سے ساکت ہے بلکہ سورہ النور میں زانی اور زانیہ کی سزا جلد (تازیانہ) بیان کی گئی ہے، فرمایا گیا ہے کہ

الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد	زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ہر
منھما مائة جلدة	ایک کے سو سو کوڑے مارو

اس کو پیش کر کے دعوی کرنے والا یہ دعوی کر سکتا ہے کہ "رجم" کے قانون کی قرآن سے تو نفی ثابت ہوتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ مثناۃ کیا چیز ہے؟ یہودیوں کا خیال ہے کہ تورات کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کو زبانی روایات کا بھی ایک ذخیرہ دیا گیا تھا تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک زبانی روایتوں کا یہ سلسلہ یہودیوں کے ہاں قلم بند نہ ہوا دوسری صدی عیسوی یعنی حضرت موسی سے ایک ہزار سات سو سال بعد ایک یہوداحق دوش نے پہلی دفعہ ان کو قلم بند کیا یہی کتاب مثناۃ کے نام سے مشہور ہوئی پھر ایک شرح اس کی یروشلم میں ہوئی اور دوسری بابل میں اسی شرح کو گمرا کہتے ہیں جس کے معنی کمال ہیں مثناۃ اور گمرا کو ملا کر تالمود کہتے ہیں آدم کلارک اور ہارن وغیرہ مفسرین تورات نے لکھا ہے کہ پچھلے زمانے میں یہودیوں کے ہاں مثناۃ اور تالمود کی اہمیت تورات سے بہت زیادہ بڑھ گئی تورات کو عملاً بیہودہ ناقص، مغلق غیر مفہوم قرار دیتے تھے اور دین کی حقیقی بنا، انھوں نے بجائے تورات کے مثناۃ پر آخر زمانہ میں قائم کر دی تھی جیوئش اور دوسری انسائیکلوپیڈیاؤں میں تفصیلات پڑھئے انگریزی نہ جاننے والے مولوی رحمۃ اللہ الہندی کی کتاب اظہار الحق عربی ایڈیشن مطبوعہ مصر ۱۳۱۵ھ جلد ۲ صفحہ ۵۶ تا ۲۲۰ میں پڑھ سکتے ہیں۔ ۱۲

لیکن میرے خیال میں تھوڑے تامل سے اگر کام لیا جاتے تو اس دعوی کی غلطی واضح ہو سکتی ہے، وجہ یہ ہے کہ زنا، کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ جنسی خواہش کی تکمیل کے قانونی ذریعہ پر اقتدار رکھتے ہوئے زنا کے جرم کا ارتکاب کیا جائے اور دوسری شکل اسی کے مقابلہ میں ایسی زنا کی ہے جس میں مزید اس صفت کا اضافہ نہ ہو یعنی خالص زنا جو ایسے آدمی سے سرزد ہو جس کے سامنے کوئی قانونی ذریعہ جنسی خواہش کی تسکین کا نہ ہو قرآن میں "الزانیة والزانی"
(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

قانون رجم" کے انکار کے اس خطرے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس درجہ متاثر تھے کہ قرآن کے سوا حالاں کہ طے کر چکے تھے کہ اپنے زمانہ کی کسی نوشتہ چیز کو مسلمانوں میں منتقل ہونے نہ دوں گا، لیکن اس انکار کے خطرے کی شدت کا احساس کبھی کبھی اتنا بڑھ جاتا تھا کہ اپنے خطبوں میں آپ فرماتے کہ

لولا ان یقول قائلون زاد عمر فی کتاب اللہ مالیس منہ لکتبت فی ناحیۃ المصحف ع ۱۳۶ (بخاری، صحاح

اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ کہنے والے یہ کہنے لگیں گے کہ عمر نے اللہ کی کتاب میں اس چیز کا اضافہ کر دیا جو قرآن کا جز نہ تھا قرآن کے حاشیہ پر اس کو (یعنی رجم کے قانون) کو لکھ دیتا۔

لیکن مصحف کے حاشیہ پر لکھنے کی جرأت تو کیا کرتے یوں بھی آپ نے اس قانون کو قلم بند کر دینے کی ہمت نہ فرمائی کبھی کبھی "رجم" کے اس قانون کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کا بھی ذکر ان الفاظ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا لفظ بغیر کسی مزید اضافہ کے جب مذکور ہے یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ خواہ یہ جرم قانونی ذریعہ پر مقتدر ہونے کے ساتھ سرزد ہو یا اس کے بغیر سرزد ہو اس کے لئے جلد (تازیانے) کی سزا ہے، پس اس سے یہی سمجھا جائے گا، یہ حکم صرف اس زنا کا ہے جو خالص زنا ہو۔ آئندہ اسی آیت کے بعد ایک حکم یہی ہے کہ زانی کو چاہئے کہ نکاح نہ کرے لیکن زانیہ عورت سے" یہ بھی اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جلد کی سزا صرف اس جرم سے متعلق رکھتی ہے جو نکاح سے پہلے سرزد ہو بہر حال میرے خیال میں رجم کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ قرآن اس سے ساکت ہے یعنی زنا، کی ایسی شکل جس میں زنا، کرنے والے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل و تسکین کے قانونی ذریعہ پر قادر ہوں اس کا حکم قرآن میں نہیں بیان کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور عمل پر اس کی بنیاد قایم ہے اور عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ خالص زنا، اور زنا، کی ثانی الذکر شکل یعنی قانونی ذریعہ جنسی خواہش کی تسکین کا رہتے ہوئے جو اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے دونوں کی سزا کو برابر نہ ہونی چاہئے اور اسی کی تائید پیغمبر نے اپنے قول و عمل سے کی، قرآن میں جب کوئی چیز اس کے خلاف نہیں پائی جاتی تو خواہ مخواہ ایک غیر عقلی بات پر اصرار وہی کر سکتا ہے جو صرف اصرار کرنا چاہتا ہے ۱۲

میں فرماتے کہ

انہ سیکون من بعدکم قوم یکذبون بالرجم وبالدجال وبالشفاعۃ وبعذاب القبر وبقوم یخرجون من النار بعد ما امتحشوا ص۱۳۶ ج۲ ازالۃ الخفا

کچھ لوگ عن قریب آئندہ زمانہ میں ایسے بھی آنے والے ہیں جو رجم کے قانون کا اور دجال کے ظہور کے واقعہ شفاعت کا، عذاب قبر کا اور اس بات کا کہ جلنے کے بعد جہنم سے بعض لوگ نجات یاب ہوں گے ان ساری باتوں کا انکار کریں گے

مگر باوجود اس کے اس اصرار پر آخر وقت تک جمے رہے کہ مسلمانوں کی آئندہ نسلوں میں قرآن کے سوا کوئی مکتوبہ چیز ہمارے زمانے کی پہنچ نہ پائے گی۔

اور انکار کے اس خطرے کے ازالہ کے لئے آپ نے یہ کیا کہ بجائے اتفال کے بکثرت خصوصاً اپنے خطبوں میں چرچا کر کرکے ان باتوں کو آپ نے اتنا مشہور کر دیا کہ خبر آحاد کی حیثیت

۱؎ جن امور کا ذکر حضرت عمرؓ کے اس بیان میں کیا گیا ہے ان میں عذاب قبر کا مسئلہ ایسا ہے جس کے اشارات قرآن میں بھی ملتے ہیں، آل فرعون والی آیت اور یثبت اللہ الذین آمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الآخرۃ میں بھی لوگوں نے ان اشاروں کو پایا ہے موت کے وقت مرنے والوں کے سامنے جن غیبی حقائق کا ظہور ہوتا ہے ان کا ذکر بھی ایک سے زائد جگہ پر قرآن میں کیا گیا ہے ماسوا اس کے سورہ النبأ کی آخری آیتیں یعنی انا انذرناکم عذابا قریبا یوم ینظر المرء ما قدمت یداہ ویقول الکافر یالیتنی کنت ترابا (ہم نے دھمکایا تم کو قریب والے عذاب سے جس دن دیکھے گا آدمی ان چیزوں کو جنہیں اس نے اپنے آگے روانہ کیا تھا اور کہے گا منکر کہ کاش ہم ہوتے خاک) اس آیت میں "عذاب قریب" میں قریب کا لفظ بتاتا ہے کہ کسی بعید عذاب کے مقابلہ میں آدمی قریبی زمانہ میں اس سے دوچار ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ جہنم کے عذاب بعید کے مقابلہ میں یہ قبر ہی کا عذاب عذاب قریب ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے آگے جو یہ کہا گیا کہ بھیجے ہوئے اعمال کو دیکھے گا یہ بھی برزخی عذاب ہی کی خاصیت ہے کہ بجائے بدلہ بھگتنے کے آدمی کے اعمال مختلف شکلوں میں اس کے آگے بیٹھ ہوں گے جن کو دیکھ دیکھ کر گھبرائے گا اور اذیت محسوس کرے گا اور یہی وہ وقت ہے جب آدمی تمنا کرے گا کہ موت کے متعلق اس کا جو یہ خیال تھا کہ ازالہ احساس کی یہ تعبیر ہے یعنی مرکر آدمی مٹی میں مل جاتا ہے خاک دھول بنکر اڑ جاتا ہے کاش یہی واقعہ ہوتا۔ لیکن صورت حال اس سے بالکل مختلف نظر آئے گی یہ ہے وہ مطلب جو ان آیتوں سے میری سمجھ میں آیا ہے

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ان کی باقی نہ رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ علماء کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے متعلق مزید ایک اور قسم کا اضافہ کرنا پڑا یعنی متواتر اور خبر آحاد کے درمیان میں مشہور حدیثوں کی ایک اصطلاح مقرر کی گئی، جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ ان کی حیثیت نہ تو دین کے ان کے قطعی عناصر اور یقینی اجزاء کی ہے جن کا انکار آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، یعنی متواتر روایتوں کی جو کیفیت ہوتی ہے یہ حیثیت بھی مشہور روایتوں کی نہیں ہے اور نہ ان کی حیثیت خبر آحاد کی ہے اگرچہ بعض لوگوں کا خیال یہ بھی ہے کہ درجہ شہرت کو طے کر کے مسلمانوں تک جو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو کر پہنچی ہیں ان کا انکار بھی دین سے انکار کرنے والوں کو خارج کر دیتا ہے کہتے ہیں کہ مشہور حنفی امام ابو بکر جصاص کا یہی خیال تھا لیکن عام طور پر علماء اس کے قائل نہیں ہیں میں نے شاید پہلے بھی شمس الائمہ سرخسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ قانون رجم اور مسح خفین جیسے مسائل کے منکر کے متعلق ان کا خیال تھا کہ

لکن یخشی علیہ الاثم　　　　گناہ کا اندیشہ کیا جاتا ہے

بعضوں نے ان مشہور روایات کو بھی مختلف مدارج میں تقسیم کیا ہے، رجم والے قانون کی مثال دے کر لکھا ہے کہ اس قسم کی مشہور روایتوں کے منکر کو گمراہ قرار دیا جائے گا، صاحب کشف بزدوی نے عیسیٰ بن ابان حنفی امام کا قول نقل کیا ہے کہ

قسم یضلل جاحدہ ولا یکفر مثل خبر الرجم ص ۳۶۹ ج ۲ کشف　　　　ایک قسم مشہور روایتوں کی ایسی بھی ہے کہ اس کے منکر پر کفر کا فتویٰ تو نہیں لگایا جائے گا مگر اس کو گمراہ ٹھہرایا جائے گا مثلاً رجم کی روایت کا یہی حال ہے

بہر حال ان مسائل کی تفصیل میرے سامنے نہیں ہے، بلکہ کہنا یہ ہے کہ مشہور روایتوں کے متعلق یہ مانتے ہوئے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اسی بنیاد پر میں برزخی عذاب کو قرآنی عذاب قرار دیتا ہوں یعنی عذاب قریب میرے نزدیک عذاب قبر ہی کی تعبیر ہے نیز سورۃ الانعام میں اور سورۃ الواقعہ کی بعض آیتوں سے عذاب قبر کی طرف اشارے ملتے ہیں جس کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں ہے ۱۲

ھو اسم لخبر کان من الاحاد فی	کہ خبر مشہور درحقیقت ان ہی خبروں کو کہتے ہیں جو
الاصل ای فی الابتداء	ابتدا میں احاد ہونے کی حیثیت رکھتی تھیں،
کشف ص ۳۶۸	

لیکن محض اس لئے یعنی

لاتفاق العلماء من الصدر الاول	صدر اول (عہد صحابہ) اور دوم (یعنی عہد تابعین)
والثانی علی قبولہ ص ۳۶۹	کے علماء نے چونکہ ان کے ماننے پر اتفاق کر لیا تھا

اسی لئے کہتے ہیں کہ خبر آحاد کی جو نوعیت ہوتی ہے وہ ان کی باقی نہ رہی، بلکہ صدر اول ہی نہ سہی اس کے بعد بھی یعنی قرن ثانی و ثالث تک کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس زمانے تک جن خبروں میں شہرت کا رنگ پیدا ہو گیا تھا، ان کا شمار بجائے خبر آحاد کے خبر مشہور میں کیا جائیگا صاحب کشف نے لکھا ہے کہ

والاعتبار للاشتھار فی القرن	بہرحال قرن دوم و سوم (تابعین و تبع تابعین) کے
الثانی والثالث ولا عبرۃ للاشتھار	عہد میں جو چیزیں شہرت کے درجہ تک پہنچ گئی تھیں
فی القرون التی بعد القرون	(ان کی شہرت کا تو اعتبار کیا جائیگا) مگر ان تینوں قرون
الثلثۃ[1] ص ۳۶۹ کشف بزدوی	کے بعد کی شہرت ناقابل لحاظ غیر موثر قرار پائے گی

جس کا مطلب یہی ہوا کہ "خبر احاد" والی حدیثوں کے ذخیرہ سے جن روایتوں میں شہرت کی کیفیت عہد صحابہ ہی میں نہیں، بلکہ عہد تابعین و تبع تابعین میں پیدا ہو گئی ہو، ان کو بھی مشہور خبروں میں شمار کر لیا گیا ہے[2]۔

---

[1] لکھا ہے کہ قرون ثلثہ کے بعد تو تقریباً ساری آحاد خبریں چونکہ مشہور ہو گئیں اس لئے پچھلے قرون کی شہرت کا اعتبار نہ کیا جائے گا ۱۲

[2] اگرچہ ان مشہور روایتوں میں ایسی روایتیں جن میں شہرت کا رنگ عہد صحابہ میں پیدا ہو چکا تھا اس کو مشہور روایتوں کی ان قسموں پر ترجیح دی جاتی ہے جن میں یہی کیفیت بعد والے قرون میں پیدا ہوئی، تاہم اجمالی طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ شہرت کے درجہ تک ان تینوں قرون میں سے کسی قرن کے اندر جو روایتیں پہنچ گئی تھیں ان کو خبر آحاد کی مد سے نکال کر مشہور روایتوں میں داخل کر دیا جائے گا۔ تفصیل کے لئے اصول فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے ۱۲

اور یہی میں کہنا چاہتا ہوں کہ قلم بند ہوئے بغیر صرف زبانی چرچے کی زیادتی کی وجہ سے عہد صحابہ ہی نہیں بلکہ اس کے بعد والے دو قرنوں میں بھی جن معدودے چند روایتوں میں شہرت کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی، جب ان کو "خبر آحاد" کے زمرے سے علما، نے خارج کر دیا تو اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خلافت و حکومت کی طرف سے لکھوایا ہوا حدیثوں کا کوئی مجموعہ مسلمانوں کی پچھلی نسلوں تک منتقل ہوتا ہوا اگر پہنچتا تو اس کے ساتھ لوگوں کے قلبی تعلقات کی جو کیفیت ہو سکتی تھی، وہ ظاہر ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو احاد خبروں کی شکل میں چھوڑا تھا، ان میں سے بعض چیزوں میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواہ زبانی تذکروں کے ذریعہ سہی شہرت کا رنگ کیوں پیدا کیا؟ یا حضرت عمر کے بعد قرن ثانی و ثالث والوں نے ان روایتوں کو کیوں مشہور کر دیا یہ ایک جداگانہ بحث ہے، اور علاوہ "مصالح مرسلہ" کے جسے خلفار راشدین کے خصوصی اختیارات میں شمار کیا جاتا ہے قرون مشہود لہا بالخیر کے فیصلوں کے متعلق بھی یہ مانا گیا ہے کہ خاص دینی بصیرت ہی کے تحت ان کو بھی مناسب نظر آیا کہ بجائے خبر آحاد کی شکل میں باقی رکھنے کے ان میں شہرت کی کیفیت پیدا کر دی جائے۔

کچھ بھی ہو مجھے اس سے بحث بھی نہیں اور علمار نے لکھا بھی ہے کہ صحابہ کے بعد والے قرنوں میں جو روایتیں مشہور ہوئی ہیں، ان کے انکار کرنے والوں کو زیادہ سے زیادہ خطاکار قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن کفر ہی نہیں بلکہ گمراہی کا انتساب بھی انکار کرنے والے کی طرف مشکل ہے[1]۔ جیسے خلفار راشدین کے عہد میں مشہور ہونے والی روایتوں کے منکر دل کی تضلیل کا فیصلہ کیا گیا ہے، یعنی ان لوگوں کو گمراہ سمجھا جائے گا۔ جو خلفار راشدین کے زمانہ میں مشہور ہو جانے والی روایتوں کے نتائج کا انکار کرتے ہیں، اور میرے نزدیک مومن کے ایمان کا اقتضار بھی یہی ہے یہ تھی روداد ان خدمات کی جو عہد فاروقی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے متعلق

---

[1] تفصیلات اصول فقہ کی کتابوں خصوصاً کشف بزدوی میں پڑھئے ۱۲

انجام دی گئی جن کا حاصل یہی ہے کہ بجز چند خاص روایتوں کے خبر آحاد کے سارے ذخیرے کو خبر آحاد ہی کی شکل میں باقی رکھنے کی جو ممکنہ تدبیریں ہو سکتی تھیں، حضرت عمرؓ نے ان کے اختیار کرنے میں پوری مستعدی اور بیدار مغزی سے کام لیا۔ کوشش کا کوئی دقیقہ اس راہ میں اٹھا نہ رکھا، اور ان چند روایتوں کو شہرت کے درجہ تک پہنچانے کی کوشش آپ نے جو کی اس کی وجہ یا تو یہی ہو سکتی ہے کہ ان کی بصیرت کو اسی میں مصلحت نظر آئی، یا ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص منشار کا علم ان امور کے متعلق کچھ ہو جس سے نبوت کے خصوصی مذاق شناس حضرات ہی واقف ہو سکتے تھے۔

یہاں ایک بات یاد رکھنے کی یہ بھی ہے کہ "مشہور حدیث" کا مطلب چونکہ یہ ہے کہ ابتدا میں خبر آحاد کی شکل میں رہنے کے بعد صحابہ اور تابعین و تبع تابعین کے زمانہ میں عام طور پر اتنی مشہور ہو گئی کہ

رواہ جماعۃ لا یتصور تواطؤھم علی الکذب کشف صفحہ ۳۶۷ ج ۲	اتنے آدمیوں نے ان کو بیان اور روایت کیا ہے جن کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ خواہ مخواہ جھوٹ پر وہ متفق ہو گئے تھے۔

جس کا حاصل یہ ہوا کہ متواتر اور مشہور میں فرق صرف اس قدر ہے کہ متواتر روایات میں تو ضروری ہے کہ ابتدار سے آخر تک ایسی جماعت اس کو بیان کرتی ہو جس کے متعلق غلط بیانی کا احتمال باقی نہ رہے۔ عقل کے لئے ناممکن ہو جائے کہ اس کو جھوٹ قرار دے اور مشہور روایتوں میں بھی گو یہی کیفیت پائی جاتی ہے الا یہ کہ ابتدار میں اس کی حیثیت چونکہ خبر آحاد کی تھی اس لئے متواتر روایتوں کی قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اس معیار پر عہد فاروقی میں مشہور ہو جانے والی روایتوں کی تعداد بہت تھوڑی نکلے گی، شاید ذہنی چند باتیں جن کا تذکرہ حضرت عمرؓ اپنے خطبات میں کرتے تھے اور ان کو خطرہ تھا کہ آئندہ انکار کرنے والے کہیں ان کے انکار پر جری نہ ہو جائیں، ان کے سوا مشکل ہی سے کسی چیز کا ان پر اضافہ ہو سکتا ہے۔

اسی کے ساتھ ہمیں یہ بھی بھولنا نہ چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جیسے مشہور روایتوں کی شکل ان چند چیزوں نے اختیار کی، وہیں آپ ہی کے زمانہ میں یہ بھی طے کیا گیا کہ کسی واحد خبر کا مفاد اگر قرآنی نص کے خلاف ہو تو ترجیح ہمیشہ قرآن ہی کو دی جائیگی غیر حاملہ یعنی حامل عورت کو جب ایسی طلاق دی جائے جس کے بعد نکاح جدید کے بغیر پھر اس عورت کو طلاق دینے والا زن وشو کے تعلقات کو جاری نہیں رکھ سکتا اس کے نان ونفقہ اور سکنی (جائے سکونت) کے متعلق یہ سوال جب اٹھا کہ عدت کے زمانہ میں طلاق دینے والے شوہر پر یہ چیزیں یعنی نان ونفقہ وغیرہ واجب ہے یا نہیں، اور ایک خاتون صاحبہ جن کے ساتھ طلاق کی یہی صورت پیش آئی تھی، یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفقہ اور سکنی کو شوہر پر عائد نہیں کیا تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک چونکہ فاطمہ بنت قیس کی یہ روایت کتاب یعنی قرآنی نص کے خلاف تھی آپ نے اعلان کیا کہ

لانترك كتاب الله وسنة نبيه	ہم اللہ کی کتاب اور اللہ کے نبی کے طریقہ کو کسی ایسی
بقول امرأة حفظت ام نسيت	عورت کے کہنے سے چھوڑ نہیں سکتے، جس کے
(صحاح)	متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی

عہد عثمانی اور تدوین حدیث

بہر حال عہد فاروقی ان ہی حالات میں ختم ہوا آپ کے بعد حضرت عثمان اور حضرت علی کی خلافت کا زمانہ آیا، علمی خدمات کے لحاظ سے عثمانی عہد خلافت کا سب سے بڑا وہ کارنامہ ہے جس کی وجہ سے آج تیرہ ساڑھے تیرہ سو سال تک سارے جہاں کے مسلمانوں میں قرآن مجید کا ایک ہی نسخہ مروج ہے میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ خصوصیت صرف اسی کتاب کو حضرت عثمان

لہ یہ مسئلہ کہ قرآن کی کس آیت کے خلاف حضرت عمرؓ نے فاطمہ والی روایت کو قرار دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کس سنت کا حضرت کو علم تھا فاطمہ کی روایت اس کے مخالف تھی یہ بڑا تفصیلی مسئلہ ہے۔ حدیث وشروح حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل ملے گی ۱۲۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجہ خاص سے آج حاصل ہے۔ میں نے "تدوین قرآن" نامی کتاب میں اس مسئلہ کی پوری تفصیل بیان کی ہے[1]۔ حدیث کے سلسلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تدوین حدیث کی تاریخوں میں لوگوں نے کسی خاص واقعہ کا ذکر اگرچہ نہیں کیا ہے لیکن حضرت عثمان سے جو روایتیں کتابوں میں نقل کی گئی ہیں، ہم ان میں ایک اس روایت کو بھی پاتے ہیں مسند احمد میں ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔

ما یمنعنی ان احدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا ان اکون ادعی اصحابہ عنہ ولکنی اشھد لسمعتہ یقول من قال علی ما لم اقل فلیتبوء مقعدہ من النار[2]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے بیان کرنے میں مجھے یہ خبر نہیں روکتی کہ دوسرے صحابیوں سے حدیثوں کے یاد رکھنے میں میں کچھ کم ہوں مگر بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کی جسے میں نے نہ کہی ہو تو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ وہ دوزخ میں بنا لے

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کافی حدیثیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی یاد تھیں، لیکن ان کی عمومی اشاعت سے آپ بھی پرہیز کرتے تھے۔ کیوں کرتے تھے؟ ممکن ہے کہ مذکورہ الفاظ سے یہ نتیجہ بھی نکالا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی غلط بات کے منسوب ہو جانے کا اندیشہ حضرت عثمان کو تھا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ جب دوسرے صحابیوں کے مقابلہ میں خود ان کا دعویٰ تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کم حدیثیں محفوظ نہیں ہوئی ہیں تو حفظ اور یاد کے اس دعویٰ کے بعد ان کے کلام کو اس پر محمول کرنا کہ اپنی یاد پر حضرت کو کامل بھروسہ چونکہ نہ تھا، اس لئے روایت سے پرہیز کرتے تھے کچھ بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے

---

[1] میرے عزیز رفیق مولوی غلام ربانی ایم۔ اے نے ایک مستقل مقالہ اس عنوان پر فقیر ہی کی نگرانی میں لکھا ہے جو تسلسل دار برہان میں شائع ہو چکا ہے اور انشاء اللہ مستقل رسالہ کی شکل میں بھی دفتر ندوۃ المصنفین اس کو شائع کرنے والا ہے ۱۲

میرا خیال تو یہی ہے کہ وہی بات یعنی خلیفہ ہونے کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی اشاعت عام کا طریقہ اگر وہ اختیار کرتے، تو ظاہر ہے کہ ہر طرح کے لوگ ان سے سنی ہوئی روایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی جرأت کرتے حضرت عثمانؓ کو زیادہ سے زیادہ اعتماد اپنے حافظہ اور اپنی یاد پر ہو سکتا تھا لیکن ان سے سن کر روایت کرنے والے بھی صحیح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اسی بات کو منسوب کریں گے، جو کچھ انھوں نے سنا ہے حضرت کو چونکہ اس پر بھروسہ نہ تھا اندیشہ تھا کہ اس راہ سے پیغمبر کی طرف غلط بات منسوب نہ ہو جائے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیثیں آپ نے سنی تھی ان کی اشاعت عام نہیں فرماتے تھے۔ اور اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ خبر آحاد کی ان روایتوں کو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام مسلمانوں میں اشاعت ضروری خیال نہ فرمائی اسی طرح آپ کے خلفاً نے بھی یہی طرز عمل دین کے اس غیر بنیادی حصہ کے متعلق اپنے اپنے زمانہ میں اختیار فرمایا اسی سے اندازہ کیجئے کہ ایک دفعہ برسر منبر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمانے لگے، مسند احمد ہی میں ہے

عن ابی صالح مولیٰ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال سمعت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول ایھا الناس انی کتمتکم حدیثا سمعتہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کراھیۃ تفرقکم عنی ص۶۵	حضرت عثمان کے غلام ابو صالح سے مروی ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت عثمان کو یہ فرماتے ہوئے سنا وہ کہہ رہے تھے لوگو! ایک حدیث جسے میں نے رسول اللہ سے سنا ہے اسے تم لوگوں سے اب تک اس لئے چھپاتا رہا کہ تم کو یہ حدیث مجھ سے جدا کردے گی۔

پھر آپ نے فرمایا کہ

ثم بدا لی ان احدثکموہ لیختار امرؤ لنفسہ ما بدا لہ سمعت رسول اللہ	مگر پھر مجھے یہی محسوس ہوا کہ میں اس حدیث کو تم سے بیان ہی کردوں، پھر اس حدیث کے سننے کے

صلی اللہ علیہ وسلم یقول رباط یوم فی سبیل اللہ تعالیٰ خیر من الف یوم فیما سواہ من المنازل

بعد جس کا جی چاہے اس پہلو کو اختیار کرے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک دن کا رباط (یعنی اسلامی سرحدوں کی چھاؤنیوں میں بہ نیت جہاد قیام) دوسری جگہوں میں ہزاروں گذارنے سے بہتر ہے۔

اور یہی خبر آحاد کی حدیثوں کے استعمال کا صحیح مقام ہے جس کی طرف حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارہ فرمایا کہ ان سے عمل کی محرومی عام دینی ثمرات سے گو آدمی کو محروم نہیں کرتی، لیکن دین میں جو آگے بڑھنا چاہتے ہیں وہ چاہیں تو ان حدیثوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

لیکن بایں ہمہ حضرت عثمانؓ ہی کو ہم دیکھتے ہیں کہ الواحد بعد الواحد ہی کی راہ سے سہی، جب کبھی ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء مبارک کی خبر ہو جاتی تھی تو بجائے اپنی رائے کے اسی خبر واحد کی تعمیل کو اپنی سعادت خیال فرماتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کے ارادے سے مکہ معظمہ تشریف لے جا رہے تھے، جب قدید نامی مقام پر پہنچے تو کیمپ کے باورچی خانے میں چند چکور گاؤں والوں نے شکار کر کے پہنچا دئے، چکوروں کو بھون کر اور کھانوں کے ساتھ طشت میں مرتب کر کے حضرت عثمانؓ کے دسترخوان پر لوگوں نے جب چن دیا، راوی کا بیان ہے کہ

کانی انظر الی الحجل حوالی الجفان

ہم ان بھنے ہوئے چکوروں کو گویا طشت کے کنارے چنا ہوا دیکھ رہے ہیں۔

(باقی آئندہ)